اردو شاعری میں بلاغت، علم اور موضوعات: مرزا غالب اور محمد اقبال کی شاعری میں بلاغت کا تقابلی مطالعہ

Rhetoric, Knowledge, and Subjectivity in Urdu Poetry: A Comparative Study of Mirza Ghalib and Muhammad Iqbal

***Dr. Hakan Kuyumcu**

** Associate Professor, Faculty of Literature, Department of Urdu Language and Literature, Selçuk University, Konya- Türkiye*

KEYWORDS

Epistemology,
Khudi
Mirza Ghalib,
Muhammad Iqbal,
Rhetoric,
Subject formation,
Urdu poetry,

ABSTRACT

This article examines the transformation of rhetoric in Urdu poetry through a comparative study of Mirza Ghalib and Muhammad Iqbal. It argues that the transition from Ghalib to Iqbal does not merely represent a change in poetic style or subject matter; rather, it marks a fundamental transformation in the function of rhetoric itself. In Ghalib's poetry, rhetoric is characterized by ambiguity, irony, contradiction, and semantic multiplicity. These rhetorical features create an epistemological condition of uncertainty and present the self as fragile, divided, and unstable. Thus, Ghalib's poetry reflects the modern experience of existential anxiety and epistemic crisis. By contrast, in Iqbal's poetry, rhetoric becomes directive, performative, and action-oriented. Through imperative language, direct address, and the concept of khudi, Iqbal transforms poetry into a means of self-construction, moral responsibility, and historical consciousness. Knowledge in his poetry is not suspended in uncertainty; rather, it is reconstructed through action, faith, and will. Consequently, the reader is transformed from a mere interpreter of meaning into an active historical subject. This study employs close textual reading and a comparative method to analyze selected verses of Ghalib and Iqbal. Themes such as desire, destiny, selfhood, individual and society, knowledge, and certainty are examined in order to compare the rhetorical strategies, modes of address, and readerly positions in both poets. The analysis demonstrates that Ghalib's poetry directs the reader toward ambiguity, doubt, and interpretation, whereas Iqbal's poetry guides the reader toward action, resolve, and historical responsibility. Using a theoretical framework based on classical rhetoric, epistemology, and subject formation, the article concludes that rhetoric in Urdu poetry is not merely an aesthetic device but also an active mechanism for the production of knowledge and the construction of the self.

تعارف

اردو ادب کلاسیکی بلاغتی روایت اور جدید نظری مباحث کے سنگم پر تشکیل پانے والا ایک ایسا ادبی میدان ہے جس میں معنی، جمالیات، فکر، اور ذات کی تشکیل باہم مربوط صورت میں سامنے آتے ہیں۔ اس تناظر میں مرزا اسد اللہ خان غالب اور محمد اقبال نہ صرف دو عظیم شعرا ہیں بلکہ اردو شاعری میں بلاغت کے تاریخی ارتقا کے دو اہم مرحلے بھی ہیں۔ دونوں شعرا نے مابعد الطبیعیاتی سوالات، علمیات، صوفیانہ مضامین، اور انسانی وجود کے مسائل کو

*Corresponding Author: *Dr. Hakan Kuyumcu*
Email Address: ghkuyumcu@selcuk.edu.tr

اپنے اپنے منفرد اسلوب میں برتا، اور اسی سبب ان کی شاعری محض ادبی حسن تک محدود نہیں رہی بلکہ ایک وسیع فکری روایت کا حصہ بن گئی (Shah & Mahrukh, 2025).

غالب کی بلاغت اپنی پیچیدگی، معنوی تہہ داری، تضادات، اور طنزیہ جہات کے سبب نمایاں ہے۔ یہ اسلوب علمیاتی عدمِ یقین، معنوی تعلیق، اور فکری کشمکش کو ابھارتا ہے۔ غالب کے ہاں شعری اظہار کسی قطعی نظریاتی رہنمائی کے بجائے سوال، ابہام، اور تاویل کی متعدد جہات کھولتا ہے۔ اس کے برعکس اقبال کی بلاغت رہنما، خطابی، اور تعمیری نوعیت رکھتی ہے۔ وہاں شاعری محض تاثر کی دنیا نہیں بلکہ ارادہ، عمل، خودی، اور تاریخی شعور کی تشکیل کا وسیلہ ہے.(War, 2020)

یہی بنیادی فرق اس مقالے کا مرکزی مسئلہ ہے: غالب سے اقبال تک اردو شاعری میں بلاغت کا کردار کس طرح بدلتا ہے، اور یہ تبدیلی علم، قاری، اور ذات کی تشکیل پر کیا اثر ڈالتی ہے۔

۲۔ تحقیق کا مسئلہ

اس مطالعے کا بنیادی سوال یہ ہے کہ غالب سے اقبال تک اردو شاعری میں اسلوبِ بیان میں کس نوع کی فعلی تبدیلی واقع ہوتی ہے، اور یہ تبدیلی علمیاتی اور وجودی سطحوں پر کیا معنی پیدا کرتی ہے۔ اس مرکزی سوال کی وضاحت کے لیے درج ذیل ذیلی سوالات سامنے رکھے گئے ہیں:

1- غالب اور اقبال کی شاعری میں استعمال ہونے والے بلاغی وسائل، مثلاً استعارہ، تمثیل، تضاد، اور امری اسلوب، کس طرح مختلف ہیں؟

2- دونوں شعرا کے ہاں بلاغت قاری کے ساتھ کس نوع کا رشتہ قائم کرتی ہے؟

3- غالب کی شاعری فکری تشکیک اور ابہام کیسے پیدا کرتی ہے، جبکہ اقبال کی شاعری یقین، عمل، اور ارادے کی دعوت کیسے دیتی ہے؟

4- یہ بلاغی اختلافات جدید فرد اور جدید مسلم ذات کے تصورات کی کیسے عکاسی کرتے ہیں؟

اس تحقیق کا بنیادی مقصد یہ دکھانا ہے کہ بلاغت محض ایک جمالیاتی آلہ نہیں بلکہ ایک ایسا طریقۂ کار بھی ہے جو علم، معنی، اور ذات کی تشکیل کو ممکن بناتا ہے۔

۳۔ ادب کا جائزہ

۳۔۱ غالب پر مطالعہ

غالب پر ہونے والی تحقیقات نے عموماً ان کی شاعری کی فلسفیانہ گہرائی، لسانی پیچیدگی، ابہام، اور مابعد الطبیعیاتی جہتوں کو نمایاں کیا ہے۔ کلاسیکی اردو تنقید میں بھی غالب کو ایسے شاعر کے طور پر دیکھا گیا ہے جو قاری سے محض لطف نہیں بلکہ فکری شرکت کا تقاضا کرتا ہے۔ حالی نے یادگارِ غالب میں ان کی معنوی ندرت اور طرزِ ادا کی انفرادیت کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے .(Hali, 1976) جدید مطالعات نے بھی غالب کی شاعری میں وجودی

اضطراب، عدمِ یقین، خواہش، اور جدید شعور کے ابتدائی آثار کی نشاندہی کی ہے (Hasan et al., 2012; Akbaş, 2024; Siddiqui, 2023). تاہم غالب کی بلاغت کو بطور علمیاتی بحران اور تاویلی تعلیق کے منظم مطالعے کا میدان ابھی نسبتاً کم توجہ یافتہ ہے.(Tufail, 1969)

۳۔۲ اقبال پر مطالعہ

اقبال پر علمی سرمایہ بہت وسیع ہے، اور اس کا بڑا حصہ ان کی شاعری کے فلسفیانہ، اخلاقی، خطابی، اور تحریکی پہلوؤں سے متعلق ہے۔ تصورِ خودی، اسلامی جدیدیت، تاریخی شعور، اور عمل پر مبنی زندگی ان کی فکر کے بنیادی اجزا سمجھے جاتے ہیں .(Noaparast, 2012) اردو تنقیدی روایت میں بھی اقبال کی شاعری کو محض جمالیاتی اظہار نہیں بلکہ فکری و اخلاقی بیداری کے ایک وسیلے کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ اقبال کا تنقیدی مطالعہ میں شامل مضامین بھی اقبال کے خطابی اسلوب، تصورِ خودی، اور عمل کی اہمیت پر زور دیتے ہیں .(Niazi, 1965) تاہم اقبال کی بلاغت کو غالب کے ساتھ تقابلی اور تاریخی تناظر میں، بطور ذات کی تشکیل کے طریقۂ کار، کم زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

۳۔۳ تقابلی مطالعات

غالب اور اقبال کے مابین تقابلی مطالعات عموماً کلاسیکی و جدید فرق، جمالیاتی و تعلیمی امتیاز، اور فرد و معاشرہ کے تعلق جیسے موضوعات تک محدود رہے ہیں .(Sarwar, 1978) ان میں بلاغت، علمیات، اور ذات کی تشکیل کے باہمی تعلق کو بطور مرکزی تجزیاتی فریم کم برتا گیا ہے۔ یہی خلا اس مقالے کا نقطۂ آغاز ہے۔

۴۔ نظریاتی اور طریقۂ کار کا خاکہ

اردو ادب میں بلاغت کی روایت اسلامی علومِ بلاغت، یعنی علمِ معانی، علمِ بیان، اور علمِ بدیع، سے گہری وابستگی رکھتی ہے۔ علمِ معانی مقتضائے حال کے مطابق کلام کی ادائیگی سے بحث کرتا ہے؛ علمِ بیان ایک ہی معنی کو مختلف اسالیب، مثلاً تشبیہ، استعارہ، کنایہ، اور تمثیل کے ذریعے ادا کرنے کے امکانات واضح کرتا ہے؛ جب کہ علمِ بدیع لفظی و معنوی محاسن، مثلاً تضاد، ایہام، مراعات النظیر، اور صنعتِ تکرار سے متعلق ہے۔

جدید نظری مباحث میں بلاغت کو محض اظہار کا وسیلہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے معنی، نظریہ، طاقت، اور قاری کی تشکیل سے متعلق ایک فعال عمل سمجھا جاتا ہے۔ اسی تناظر میں یہ مطالعہ بلاغت کو لسانی، خطابی، اور علمیاتی سطحوں پر برتتا ہے۔ استعارے کے معنی تشکیل دینے والے کردار کی توضیح کے لیے لیکاف اور جانسن سے مدد لی گئی ہے، جب کہ بیانیہ، تعبیر، اور مخاطب کے تعلق کو سمجھنے کے لیے ریکور اور دروشیمبا اور غلو کے مباحث مفید ثابت ہوتے ہیں۔

اس مطالعے میں غالب اور اقبال کے منتخب اشعار کو بطور متنی مواد اختیار کیا گیا ہے۔ متن کے انتخاب کے لیے تین اصول سامنے رکھے گئے:

(الف) موضوعاتی اشتراک؛

(ب) بلاغی شدت؛

(ج) نمائندگی کی قوت، یعنی منتخب اشعار کی یہ صلاحیت کہ وہ دونوں شعرا کے عمومی شعری اور فکری رجحانات کی نمائندگی کر سکیں۔

طریقۂ کار کے طور پر **باریک متنی مطالعہ** اور **تقابلی مطالعہ** اختیار کیا گیا ہے۔

۵۔ غالب کی شاعری میں بلاغت اور علم

۵۔۱ غالب کی بلاغت کا عمومی مزاج

غالب کے ہاں بلاغت معنی کو بند نہیں کرتی بلکہ اسے کھولتی ہے۔ ان کی شاعری قاری کو کسی حتمی تعبیر تک نہیں پہنچاتی بلکہ اسے سوال، تعلیق، اور فکری کشمکش میں داخل کرتی ہے۔ اسی لیے غالب کے بلاغی عناصر میں ابہام، طنز، اشاریت، اور استفہامی انداز بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں شعر نہ صرف معنی پیدا کرتا ہے بلکہ معنی کی عدمِ قطعیت بھی پیدا کرتا ہے۔

۵۔۲ خواہش اور نارسائی

غالب کا یہ شعر ان کے فکری اور بلاغی مزاج کی بہترین مثال ہے:-

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

اس شعر میں خواہش ایک سادہ نفسیاتی کیفیت نہیں بلکہ ایک ایسی قوت ہے جو معنوی کثرت، نارسائی، اور وجودی طلب کو مجسم کرتی ہے۔ "ہر خواہش پہ دم نکلے" کی مبالغہ آمیز ترکیب خواہش کے استیلائی اور وجودی پہلو کو نمایاں کرتی ہے۔ دوسرے مصرعے میں تکمیل اور عدمِ تکمیل کے باہمی تضاد سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خواہش کی دنیا میں حصول بھی نارسائی کو ختم نہیں کرتا۔ یوں قاری کو ایسی معنوی فضا میں داخل کیا جاتا ہے جہاں تکمیل خود ناممکن ہو جاتی ہے۔

۵۔۳ وجود اور عدم

غالب کا ایک اور نمائندہ شعر وجودی تذبذب کی شدت کو سامنے لاتا ہے:-

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

یہاں "ہونا" نعمت کے بجائے ابتلا بن جاتا ہے۔ وجود خود ایک بوجھ اور عدم ایک ممکنہ فکری نجات کی صورت اختیار کرتا ہے۔ شعر میں تضاد، استفہام، اور معنوی التوا ایک ساتھ موجود ہیں۔ "نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا" قاری کو کسی قطعی نتیجے تک نہیں پہنچاتا بلکہ اسے وجودی سوال کے اندر معلق رکھتا ہے۔ اس طرح غالب وجود کو کسی مستحکم حقیقت کے طور پر نہیں بلکہ ایک سوالیہ اور غیر متعین صورت میں پیش کرتے ہیں۔

۵۔۴ علم اور طنز

غالب کے ہاں علم بھی یقینی نجات کا ذریعہ نہیں بنتا:-

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن

دل کے خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

یہ شعر علم اور ایمان کے درمیان ایک معنی خیز فاصلے کو ظاہر کرتا ہے۔ "معلوم ہے" کا دعویٰ بظاہر یقین کا اشارہ دیتا ہے، مگر دوسرے مصرعے کا طنزیہ رخ اسے فوراً غیر مستحکم کر دیتا ہے۔ یوں علم خود ایک ایسی چیز بن جاتا ہے جو نجات یا حتمیت نہیں دیتی بلکہ انسانی کمزوری اور ذہنی تسکین کے عارضی پہلو کو سامنے لاتی ہے۔

۵۔۵ اخلاقی اداسی اور ناقابلِ بیان

غالب کے ہاں اخلاقی و وجودی بحران بھی بلاغت کے ذریعے نمایاں ہوتا ہے:-

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

یہاں "انسان ہونا" ایک دشوار مثالیہ بن جاتا ہے۔ شعر کسی واضح اخلاقی حل کی طرف رہنمائی نہیں کرتا بلکہ قاری کو ایک داخلی ملال اور اخلاقی کمی کے احساس کے ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

اسی طرح:-

کہوں تو کس سے کہ کیا ہے شبِ غم کی درازیاں

وہ سنیں تو مجھ سے کہوں کوئی بات بنے

یہ شعر ابلاغی تعطل، تنہائی، اور ناقابلِ بیان تجربے کو سامنے لاتا ہے۔ غالب کے ہاں خاموشی بھی بلاغت کا حصہ بن جاتی ہے۔

۵۔۶ نتیجہ

غالب کی شاعری میں بلاغت معنی کی کثرت، تضاد، طنز، اور علمیاتی عدم یقین سے متشکل ہے۔ یہاں قاری ایک فعال مفسر بنتا ہے، مگر اسے کوئی قطعی نظریاتی منزل نہیں دی جاتی۔ اسی بنا پر غالب کی شاعری جدیدیت کے معرفتی بحران اور وجودی اضطراب کا ابتدائی مگر گہرا شعری اظہار معلوم ہوتی ہے۔

۶۔ اقبال کی شاعری میں بلاغت اور تشکیلِ ذات

۶۔۱ اقبال کی بلاغت کا عمومی مزاج

اقبال کی شاعری اردو ادب میں بلاغت کے ایک نئے مرحلے کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہاں بلاغت کا مقصد محض معنوی تکثیر نہیں بلکہ معنی کو ایک مخصوص اخلاقی، فکری، اور عملی سمت دینا ہے۔ چنانچہ قاری محض مفسر نہیں رہتا بلکہ ایک ایسے تاریخی اور اخلاقی فاعل میں تبدیل ہو جاتا ہے جس سے عمل، ارادہ، اور ذمہ داری کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

۶۔۲ خودی اور وجودی عروج

اقبال کے ہاں خودی ایک مرکزی وجودی و تعمیری تصور ہے:-

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

یہاں امری اسلوب "کر بلند" کے ذریعے قاری کو براہِ راست مخاطب کیا گیا ہے۔ شعر میں بندہ محض تقدیر کا تابع نہیں رہتا بلکہ ایسی وجودی مرکزیت حاصل کرتا ہے کہ اس کی رضا خود تقدیر کے دائرے میں مؤثر ہو جاتی ہے۔ خلیفہ عبد الحکیم کے مطابق اقبال کے ہاں خودی ایک مسلسل تعمیر پذیر قوت ہے جو ارادے، عمل، اور اخلاقی وابستگی سے نشو و نما پاتی ہے۔[13]

۶۔۳ تقدیر اور عمل

اقبال کے ہاں تقدیر جامد نہیں بلکہ عمل کے ذریعے معنی پاتی ہے:-

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اس شعر میں انسان کی ابتدائی سرشت کو غیر متعین دکھایا گیا ہے، اور عمل کو شناخت کی بنیادی قوت قرار دیا گیا ہے۔ بلاغی طور پر جنت و جہنم کی ثنویت، سببی ربط، اور انسانی اختیار کا تصور مل کر اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ اقبال کے ہاں علم، عمل، اور ذات ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔

۶۔۴ عقل، عشق، اور تحرک

اقبال عقل اور عشق کے تقابل کے ذریعے معرفتی تشکیل کا ایک دوسرا خاکہ پیش کرتے ہیں:-

عقل عیار ہے، سو بھیس بدل لیتی ہے

عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم

یہاں عقل کی محدودیت اور تغیر پذیری کے مقابلے میں عشق ایک خالص، رہنما، اور تحریکی قوت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اقبال کے ہاں عشق محض جذباتی کیفیت نہیں بلکہ تخلیقی اور اخلاقی قوت ہے جو انسان کو عمل، خود آگہی، اور جدوجہد کی طرف لے جاتی ہے۔

۶۔۵ فرد اور قوم

اقبال فرد کو اجتماعی وجود سے کاٹ کر نہیں دیکھتے:-

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

یہ شعر استعارے کے ذریعے فرد اور ملت کے باہمی ربط کو نہایت مؤثر انداز میں واضح کرتا ہے۔ موج اور دریا کا رشتہ فرد کی معنویت کو اجتماعی وجود کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔ یوں اقبال کے ہاں قاری صرف انفرادی ذات نہیں بلکہ تہذیبی اور تاریخی برادری کا رکن بھی ہے۔

۶۔۶ خطابت اور متحرک کاری

اقبال کی بلاغت کئی جگہ واضح تحریکی اور خطیبانہ صورت اختیار کرتی ہے:-

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو

کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو

یہاں امری اسلوب، براہِ راست خطاب، اور سماجی تضاد مل کر شاعری کو ایک واضح اخلاقی و سیاسی خطاب میں بدل دیتے ہیں۔ اقبال قاری کو محض سامع نہیں بلکہ بیداری، اقدام، اور تاریخی ذمہ داری کے حامل وجود کے طور پر تشکیل دیتے ہیں۔

۶۔۷ علم، ایمان، اور تاریخی ذمہ داری

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم

جہادِ زندگانی میں یہ مردوں کی شمشیریں ہیں

اس شعر میں ایمان، عمل، اور محبت ایک ایسی ثلاثی قوت کے طور پر سامنے آتے ہیں جو فرد کو فکری، اخلاقی، اور تاریخی سطح پر فعال بناتی ہے۔ یوں اقبال کے ہاں علم محض تجریدی یا ذہنی شے نہیں بلکہ ایک فعال وجودی قوت ہے۔

۶۔۸ نتیجہ

اقبال کی شاعری میں بلاغت معنی کی رہنمائی، خطیبانہ اسلوب، امری آہنگ، اور قاری کی عملی تشکیل سے متشکل ہے۔ ان کے ہاں بلاغت کا بنیادی مقصد جمالیاتی ابہام نہیں بلکہ خودی، تاریخی شعور، اور عملی التزام کی تعمیر ہے۔

۷۔ تقابلی بحث اور نتیجہ

غالب اور اقبال کے تقابلی مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اردو شاعری میں بلاغت کا کردار ایک بنیادی تبدیلی سے گزرتا ہے۔ غالب کے ہاں بلاغت معنی کی تکثیر، تشکیک، تعلیق، اور علمیاتی عدمِ یقین کو جنم دیتی ہے۔ قاری یہاں ایک مفسر ہے جو حتمی معنی تک نہیں پہنچتا۔ اس کے برعکس اقبال کے ہاں بلاغت معنی کو سمت دیتی ہے، قاری کو براہِ راست مخاطب بناتی ہے، اور اسے ایک فعال تاریخی فاعل میں تبدیل کرتی ہے۔

اس تقابل کو علمیات کے تناظر میں دیکھا جائے تو غالب کے ہاں علم عدمِ یقین، فکری تنہائی، اور وجودی تشکیک سے وابستہ ہے، جب کہ اقبال کے ہاں علم عمل، ایمان، ارادے، اور ذمہ داری کے ذریعے تعمیری صورت اختیار کرتا ہے۔ وجودی سطح پر غالب کی شاعری نازک، مضطرب، اور باطنی کشمکش میں گرفتار ذات کو نمایاں کرتی ہے، جبکہ اقبال کی شاعری ایک ایسی تعمیری ذات کو سامنے لاتی ہے جو اپنی تاریخ اور اپنی تقدیر دونوں میں مداخلت کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اس طرح یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اردو شاعری میں بلاغت محض جمالیاتی صنعت نہیں بلکہ ایک فعال فکری قوت ہے۔ غالب کے ہاں یہ قوت علم کی حدود، ادراک کی نارسائی، اور معنی کی غیر قطعیت کو آشکار کرتی ہے، جب کہ اقبال کے ہاں یہی بلاغت ایک تعمیری نظریاتی میکانزم میں بدل جاتی ہے جو علم کو عمل اور شعور کو تاریخی ذمہ داری میں تبدیل کرتی ہے۔

مصادر ومراجع

غالب، مرزا اسد اللہ خان۔ دیوانِ غالب (اردو ایڈیشن)۔ لاہور: فیروز سنز، 2003۔

Ghalib, Mirza Asadullah Khan. *Diwan-e Ghalib (Urdu Edition).* Lahore: Feroz Sons, 2003.

حالی، الطاف حسین۔ یادگارِ غالب۔ لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، 1976۔

Hali, Altaf Husain. *Yadgar-e Ghalib.* Lahore: Majlis-e Taraqqi-e Adab, 1976.

عبد الحکیم، خلیفہ۔ فکرِ اقبال۔ لاہور: اقبال اکادمی، 1987۔

Hakim, Khalifa Abdul. *Fikr-e Iqbal.* Lahore: Iqbal Academy, 1987.

اقبال، محمد۔ کلیاتِ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1994۔

Iqbal, Muhammad. *Kulliyat-e Iqbal (Urdu).* Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1994.

جمال، انور۔ ادبی اصطلاحات۔ کراچی: یونیورسل بک ڈپو، 2019۔

Jamal, Anwar. *Adabi Istilahat.* Karachi: Universal Book Depot, 2019.

نیازی، عبد الغفور، مرتب۔ اقبال کا تنقیدی مطالعہ۔ لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، 1965۔

Niazi, Abdul Ghafur, comp. *Iqbal ka Tanqidi Mutala'a.* Lahore: Ishrat Publishing House, 1965.

سرور، آل احمد۔ اقبال اور غالب۔ دہلی: مکتبہ جامعہ، 1978۔

Sarwar, Al Ahmad. *Iqbal aur Ghalib.* Delhi: Maktaba Jamia, 1978.

طفیل، محمد، مرتب۔ نقوش: غالب نمبر۔ لاہور: ادارۂ فروغِ اردو، 1969۔

Tufail, Muhammad, comp. *Nuqush: Ghalib Number.* Lahore: Idara-e Farogh-e Urdu, 1969.

یزدانی، خواجہ عبد الحمید۔ شرحِ بالِ جبریل۔ لاہور: مکتبہ کارواں، 1993۔

Yazdani, Khwaja Abdul Hamid. *Sharh-e Bal-e Jibril.* Lahore: Maktaba-e Karwan, 1993.

M. I. Shah and M. Mahrukh, “Metaphysical Dimensions of Mirza Ghalib’s Poetry: A Philosophical Evaluation,” *Advance Social Sciences Archive Journal* 4, no. 1 (2025): 48.

T. A. War, “Mirza Ghalib and Muhammad Iqbal: A Study in Comparison,” *TLH Journal* 6, no. 1 (2020): 39–49.

Altaf Husain Hali, *Yadgar-e Ghalib* (Lahore: Majlis-e Taraqqi-e Adab, 1976), 86.

S. A. Hasan, M. I. Subhani, and A. Osman, “Contribution of Ghalib in Urdu Literature,” *European Journal of Social Sciences* 31, no. 2 (2012): 221–231; A. Akbaş, “Şairin Dünyası

Şiirin Dünyasıdır: İkbal’den Rumi’ye Doğu Edebiyatının Kapılarını Aralamak,” *İran ve Turan Tarihi Araştırmaları Dergisi* 7, no. 12 (2024): 104; Y. S. Siddiqui, “The Influence of Persian Poetry on Urdu Ghazal,” *International Journal of Advanced Research in Science, Communication and Technology* 3, no. 2 (2023): 956–958.

Muhammad Tufail, comp., *Nuqush: Ghalib Number* (Lahore: Idara-e Farogh-e Urdu, 1969), 15–18.

K. B. Noaparast, “Al-Attas Revisited on the Islamic Understanding of Education,” *Journal of Shi‘ite Islamic Studies* 5, no. 2 (2012): 149–172.

Abdul Ghafur Niazi, comp., *Iqbal ka Tanqidi Mutala‘a* (Lahore: Ishrat Publishing House, 1965), 53.

Al Ahmad Sarwar, *Iqbal aur Ghalib* (Delhi: Maktaba Jamia, 1978), 68.

Anwar Jamal, *Adabi Istilahat* (Karachi: Universal Book Depot, 2019), 51.

Michel Foucault, “Michel Foucault,” in *Stanford Encyclopedia of Philosophy*, accessed April 22, 2022.

George Lakoff and Mark Johnson, *Metaphors We Live By* (London: University of Chicago Press, 2003).

B. Dervişcemaloğlu, “Yaban Romanında ‘İma Edilen Yazar’ Sorunsalı,” *MUTAD* 7, no. 1 (2020): 62; Paul Ricoeur, *Interpretation Theory: Discourse and the Surplus of Meaning* (Texas: Texas Christian University Press, 1976).

Khalifa Abdul Hakim, *Fikr-e Iqbal* (Lahore: Iqbal Academy, 1987), 112.